صریر خامہ
SAREER A KHAMA
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 04, Issue 01 (January-April 2025)

شرائع سابقہ کی حجیت کے اصولی معیارات امام ابن تیمیہ کی اجتہادی آراء کے تناظر میں ایک تجزیاتی مطالعہ

The Authoritative Status of Previous Divine Laws: An Analytical Study in Light of the Ijtihādī Opinions of Imam Ibn Taymiyyah

عبد الحنان، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ
ڈاکٹر عبد الغفار، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ
aghaffar488@yahoo.com

Abstract

This analytical study investigates the epistemological and juristic foundations of the validity (ḥujjiyyah) of pre-Islamic divine laws (Sharāʾiʿ Sābiqah) in light of the ijtihādī framework developed by Ibn Taymiyyah (d. 728 AH). It addresses a fundamental question in Islamic legal theory: Are the rulings of previous prophetic legislations binding upon the Muslim ummah if not explicitly affirmed or abrogated by the Sharīʿah of Muḥammad (peace be upon him)? Positioning Ibn Taymiyyah's thought between rigid literalism and uncritical transference, this study reveals his nuanced methodology that balances continuity of divine legislation with the autonomy of Islamic law. He affirms that any previously revealed ruling may be accepted as part of Islamic Sharīʿah only if it is not abrogated and does not contradict Islamic texts—emphasizing that silent transmission (sukūt) in itself does not confer legal authority. Drawing upon key texts such as Majmūʿ al-Fatāwā, this article highlights Ibn Taymiyyah's unique differentiation between narrative-historical transmission and prescriptive legislation, his distinction between confirmative and merely descriptive Qur'anic references, and his emphasis on the universality of maqāṣid al-sharīʿah. His position serves as a mediating stance between classical ḥanafī accommodationism and ẓāhirī rejectionism. The study further explores the implications of this principle for contemporary usūl al-fiqh, particularly in regard to legislative sovereignty, interpretive autonomy, and jurisprudential consistency within the Ummah. Ibn Taymiyyah's framework provides a principled yet dynamic model of legal continuity that preserves the integrity of the final revelation while acknowledging the divine origin of previous legislations under strict hermeneutical conditions.

Keywords: *Ibn Taymiyyah, Sharāʾiʿ Sābiqah, ḥujjiyyah, usūl al-fiqh, ijtihād, maqāṣid al-sharīʿah, legal continuity, abrogation, interpretive methodology.*

تعارف:

شریعتِ محمدی ایک کامل، جامع، ابدی اور آفاقی ضابطہ حیات ہے، جو نہ صرف امتِ محمدیہ بلکہ تمام انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا آخری اور جامع پیغام ہے۔ شریعت کے مصادر میں جہاں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کو بنیادی مقام حاصل ہے، وہیں ایک اہم اور محلِ نزاع کا موضوع "شرائعِ سابقہ کی حجیت" بھی اصولیین کے درمیان ابتدا سے مناقشے کا مرکز رہا ہے۔ یہ سوال کہ "کیا سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شریعت کے وہ احکام، جنہیں شریعتِ محمدیہ نے واضح طور پر نہ تو منسوخ کیا ہے اور نہ ہی تائید کی ہے، ہمارے لیے حجت بن سکتے ہیں؟" نہ صرف فکری اور اصولی اہمیت رکھتا ہے، بلکہ اس کا اثر عملی فقہی اجتہادات پر بھی پڑتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس باب میں نہایت بصیرت افروز اور متوازن موقف کے حامل ہیں۔ وہ شرائعِ سابقہ کے بارے میں ایک اعتدال پر مبنی اصول پیش کرتے ہیں:

فإن ما ثبت شرع من قبلنا ولم يخالف شرعنا، ولم ينسخه، فهو شرع لنا أيضًا، لأنه مما شرعه الله لعباده، والشريعة واحدة في أصولها ومقاصدها. ”جو حکم سابقہ شریعتوں میں ثابت شدہ ہے اور ہماری شریعت نہ اسے منسوخ کرے اور نہ اس سے ٹکرائے، تو وہ بھی ہمارے لیے شریعت ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، اور شریعت، اصول و مقاصد میں ایک ہی ہوتی ہے۔[1]

امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک شریعتِ محمدیہ کو شرائع سابقہ سے تسلسلِ وحی اور وحدتِ دین کے اصول پر ورثہ ملا ہے، بشرطیکہ نصوصِ شریعت اس کی تائید کریں یا اس کے خلاف نہ ہوں۔ ان کے نزدیک "سکوتِ شریعت" کو نفی یا اثبات کی واضح دلیل ماننے کے بجائے مجموعی روح و مزاجِ شریعت اور اس کے مقاصد کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے۔

یہی اصولی توازن ہمیں اُن کے اس منہج سے بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ نہ تو ہر سابقہ حکم کو خود بخود حجت مانتے ہیں، اور نہ ہی اصولی طور پر تمام شرائع سابقہ کو شریعتِ محمدیہ سے خارج سمجھتے ہیں، بلکہ وہ قرآن و سنت کے تقریری، ایمانی اور تنسیخی اصولوں کی روشنی میں ہر حکم کو پرکھنے کے قائل ہیں۔

موضوع کی اہمیت:

شرائعِ سابقہ کی حجیت" ایک نہایت دقیق، اصولی اور اجتہادی موضوع ہے جو صدیوں سے اصولیین، کے ہاں بحث و تحقیق کا مرکز رہا ہے۔ اس کا تعلق تشریعِ اسلامی کے دائرۂ کار، امتِ محمدیہ کی خود مختاری جیسے بنیادی سوالات سے ہے۔ یہ نہ صرف علمی اور فقہی پہلو رکھتا ہے، بلکہ اس سے امت کے تشریعی تشخص، استقلال، اور فکری رُشد و ہدایت کا باب وابستہ ہے۔ چنانچہ یہ موضوع درج ذیل وجوہ سے علمی و تحقیقی سطح پر نہایت اہمیت کا حامل ہے:

---

[1] أحمد بن تيمية ، شيخ الإسلام، مجموع الفتاوى، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف - المدينة المنورة - السعودية عام النشر: ١٤٢٥ هـ - ٢٠٠٤ م ، 213/20

(۱) تشریعی خود مختاری کا تعین:

اگر شرائعِ سابقہ بذاتِ خود امتِ محمدیہ کے لیے حجت ہیں، تو امتِ محمدیہ کے شریعتی استقلال پر سوال پیدا ہوتا ہے؛ اور اگر وہ اس وقت حجت ہیں جب شریعتِ محمدیہ ان کی تصدیق کرے، تو اس سے اسلامی قانون کی حاکمیت اور شریعتِ محمدیہ کی جامعیت ظاہر ہوتی ہے۔

(۲) نصوص کے فہم میں اصولی رہنمائی:

قرآن وسنت میں جب کسی سابقہ حکم یا قصے کا ذکر آتا ہے، تو اس کی بنیاد پر استدلال یا عدمِ استدلال کا اصولی معیار اسی بحث سے وابستہ ہے۔

(۳) اصولی مکاتبِ فکر کی بنیادیں واضح ہونا:

احناف، شوافع، حنابلہ، مالکیہ اور ظواہر کے اجتہادی اصولوں کی تفریق اس مسئلے میں بخوبی ظاہر ہوتی ہے، جس سے محققین اصولِ فقہ کے اجتہادی دھاروں کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔ اس موضوع میں امام ابن تیمیہؒ کا موقف فقہی بصیرت، اصولی توازن اور نصوص سے گہری وابستگی پر مبنی ہے۔ آپ نے اس بحث میں انتہائی محتاط اور اصولی طریقہ کار اختیار کیا اور "تشریعی حجیت" اور "قصص و اخباری حجیت" میں فرق رکھا ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ کے نزدیک شرائعِ سابقہ اصلاً امتِ محمدیہ کے لیے حجت نہیں، بلکہ اگر شریعتِ محمدیہ نے انہیں تصدیق کے ساتھ بیان کیا ہے، تو وہ ہمارے لیے حجت ہوں گی؛ ورنہ سکوت حجیت کی دلیل نہیں۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: فما حكاه الله عنهم إن أمرنا به كان شرعاً لنا، وإن لم يأمرنا به ولا نهانا عنه فليس بشرع لنا... "اللہ تعالیٰ نے جو کچھ سابقہ امتوں سے متعلق ذکر کیا، اگر ہمیں اس پر عمل کا حکم دیا گیا ہو تو وہ ہمارے لیے شریعت ہے؛ اور اگر نہ حکم دیا گیا اور نہ روکا گیا تو وہ ہمارے لیے شریعت نہیں"۔[2] اس وہ اس بات کے قائل ہیں کہ امتِ محمدیہ کی شریعت، مکمل اور مستقل ہے۔ شرائع سابقہ کے احکام، اگر تصدیق کے بغیر نقل ہوں، تو وہ محض قصصی یا تعلیمی حیثیت رکھتے ہیں، تشریعی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہاں امام ابن تیمیہ کا اصولی موقف توازن اور عدل پر مبنی ہے، وہ نہ تو احناف کی طرح شرائع سابقہ کو بغیر تصریحِ نسخ کے حجت مانتے ہیں، نہ ہی امام ابن حزم کی طرح تمام سابقہ احکام کو یکسر غیر حجت قرار دیتے ہیں۔ بلکہ وہ نصوصِ موجودہ کی روشنی میں ایک متوازن اصول قائم کرتے ہیں کہ سابقہ احکام، شریعتِ محمدیہ کی تائید سے ہی حجت بنتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اجتہادی دروازے کو بند نہیں کیا بلکہ اجتہادی دروازہ کو کھلا رکھتے ہوئے اس میں نصوص اور اصول کی حدود کی پابندی کی ہے۔

---

[2] مجموع الفتاوی، 140/7

بنیادی سوال:

کیا شرائع سابقہ کے وہ احکام جنہیں شریعت محمدیہ نے نہ تو منسوخ کیا ہے اور نہ ہی ان کی صراحتاً تائید کی ہے، امتِ محمدیہ کے لیے اصولی و فقہی طور پر حجت قرار دیے جاسکتے ہیں؟ اس بارے میں مختلف مکاتب فکر بالخصوص امام ابن تیمیہ کا موقف کیا ہے، اور کیا ان کا نقطہ نظر اصولی و اجتہادی بنیادوں پر قائم ہے؟

(1) لغوی و اصطلاحی مفہوم:

شریعت عربی زبان میں الطریق الظاہر الواضح یعنی "واضح راستے" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ابنِ منظور لکھتے ہیں: الشريعة: مشرعة الماء، وهي مورد الشاربة التي يشرعها الناس فيشربون منها ويستقون. "شریعت پانی لینے کی جگہ ہے، یعنی وہ مقام جہاں لوگ اور جانور پانی پینے کے لیے آتے ہیں"۔ وہ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: **والعرب لا تسميها شريعة حتى يكون الماء عدًا لا انقطاع له، ويكون ظاهرًا معينا لا يُسقى بالرشاء.** "عرب اسے شریعت نہیں کہتے جب تک کہ پانی جاری اور مسلسل نہ ہو، اور وہ ظاہر اور جاری ہو، جسے رسی یا ڈول کے بغیر حاصل کیا جاسکے"۔[3]

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا﴾[4]

"پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے پر رکھا، پس اسی کی پیروی کیجئے"

اصطلاحاً شرائعِ سابقہ سے مراد وہ آسمانی احکام و قوانین ہیں جو سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہوئے، جیسے نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی شریعتیں۔

(2) شرائعِ سابقہ کی اقسام اور اصولی حیثیت:

علمائے اصول نے ان احکام کو، جن کا ماخذ پچھلی امتوں کی شریعتیں ہوں، اسلامی شریعت کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا ہے:

(ا) مؤکد و مُصدَّق احکام:

وہ احکام جو قرآن یا سنت میں صراحتاً مذکور ہوں اور جن کی تائید موجودہ شریعت میں ہو، مثلاً:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ﴾[5]

---

[3] محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين ابن منظور الإفريقى ، لسان العرب، دار صادر،بيروت الطبعة الثالثة - ١٤١٤ هـ، 8/175

[4] الجاثیۃ:18

[5] البقرۃ:183

یہ احکام شریعتِ محمدیہ میں شامل سمجھے جاتے ہیں اور ان کی حجیت قطعی ہے، اس پر امت کا اتفاق ہے۔

(۲) منسوخ احکام:

وہ احکام جنہیں اسلامی شریعت نے منسوخ قرار دیا، جیسے بنی اسرائیل کو توبہ کا حکم:

﴿فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ﴾[6]

ایسے احکام منسوخ ہونے کی وجہ سے امتِ محمدیہ کے لیے حجت نہیں۔

(۳) غیر مذکور احکام:

جن کے بارے میں اسلامی نصوص بالکل خاموش ہوں، تمام اصولیین متفق ہیں کہ یہ حجت نہیں۔

(۴) سکوتی احکام:

وہ احکام جن کا ذکر شریعتِ محمدیہ میں ہو، مگر ان کی تصدیق یا نسخ پر کوئی صریح دلیل وارد نہ ہو یہی اصل محلِ نزاع ہے۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے اور ان کے اس بارے دو موقف ہیں:

پہلا موقف:

شرائع سابقہ ہمارے لیے بھی شریعت ہیں، یعنی ان کی اتباع ہمارے لیے بھی لازم ہے۔ یہ رائے احناف کی ہے، بعض شوافع اور حنابلہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

دوسرا موقف:

شرائع سابقہ ہمارے لیے شریعت نہیں ہیں"، یعنی ان کی اتباع ہمارے اوپر لازم نہیں۔ یہ قول شوافع اور حنابلہ کی اکثریت کا ہے اور ان کے نزدیک یہی معتمد اور معتبر رائے ہے۔[7]

(أ) حجیت کے قائلین کے دلائل:

جمہور احناف، بعض شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی سابقہ حکم شریعتِ محمدیہ میں مذکور ہو اور اس کی نسخ کی صریح دلیل نہ ہو تو وہ شرعی حجت ہے۔ ان کے دلائل:

سابقہ انبیاء کی ملتوں کی پیروی کا قرآنی حکم:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ...[8]

---

[6] البقرۃ:54

[7] أبو حامد محمد بن محمد الغزالي ، الغزالی المستصفی، دار الكتب العلمیۃالطبعۃ الأولی، ١٤١٣ھ-١٩٩٣م،435/2

[8] الشوریٰ13

اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوح کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو کی کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں فرقہ فرقہ نہ بنو۔

یک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔[9]

پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی کی کہ تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْعَالَمِينَ۔[10]

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی تو تم بھی ان کی ہدایت کے طریقے پر چلو۔ کہہ دو میں تم سے اس (دعوت) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

امام سرخسی کے مطابق جب تک کسی سابقہ حکم کی منسوخی پر صریح دلیل نہ ہو، وہ حکم باقی اور واجب العمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"فأما الفريق الأول قالوا: صفة الإطلاق في الشيء يقتضي التأبيد فيه إذا كان محتملاً للتأبيد، فالتوقيت يكون زيادة فيه لا يجوز إثباته إلا بالدليل."[11]

پہلے گروہ کا کہنا ہے کہ کسی حکم کا مطلق ہونا اس میں دائمی ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اگر اس میں دائمی ہونے کا احتمال موجود ہو تو اسے کسی وقت کے ساتھ خاص کرنا اس میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے، جو دلیل کے بغیر جائز نہیں۔

امام بزدوی شرائع سابقہ کی حجیت کے متعلق لکھتے ہیں۔

وقد احتج محمد-رحمه الله-في تصحيح: المهايأة والقسمة بقول الله تعالى: وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ. وقال: لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُومٍ). فاحتج بهذا النص لإثبات الحكم به في غير المنصوص عليه بما هو نظيره فثبت أن المذهب هو القول الذي اخترناه.[12]

امام محمد نے منافع کی تقسیم اور حق آبپاشی کی تقسیم کے مسئلے میں سیدنا صالح علیہ السلام کے قصے میں مذکور حکم سے استدلال کیا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے غیر منصوص مسائل میں وہ حکم ثابت ہو جو اس کی نظیر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مذہب وہی ہے جس کو ہم نے اختیار کیا۔

اصولِ خمسہ (توحید، نبوت، عبادت، عدل، اخلاق) تمام شرائع میں مشترک رہے ہیں۔

---

[9] النحل 123

[10] الأنعام:90

[11] محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي، امام، المبسوط، مطبعة السعادة – مصر، س ، 248/4

[12] حسام الدين، حسين بن علي بن حجاج بن علي، اصول البزدوی، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع الطبعة الأولى، ١٤٢٢ هـ - ٢٠٠١ م، 157/3

(ب) منکرینِ حجیت کے دلائل:

امام ابن حزم، امام رازی، امام غزالی، امام نووی، قاضی اسماعیل؛ بعض مالکیہ اور معتزلہ کے نزدیک سکوتی احکام امتِ محمدیہ کے لیے حجت نہیں۔

ان کے نزدیک ہر شریعت اپنی امت کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔اس لئے شریعتِ محمدیہ میں سکوت، اقرار نہیں بلکہ عدمِ حجیت ہے۔اور حجیت کے لیے صریح دلیل بہت ضروری ہے۔

امام ابن حزم الظاہری (متوفی)456ھ۔

شرائع سابقہ کی عدم حجیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کتاب الإحكام في أصول الأحكام

"لا حجة فی شرع من قبلنا إلا ما ثبت فی شرعنا."

پچھلی امتوں کی شریعت میں کوئی حجت نہیں، سوائے اس کے جو ہماری شریعت میں ثابت ہو۔"

امام رازی لکھتے ہیں:

"الأصل فی الشرائع أنها لا تلزم إلا بتقرير جديد فی شريعتنا، والسكون لا يدل على التقرير."[13]

شرائع کا اصل اصول یہ ہے کہ وہ اُس وقت تک ہمارے لیے لازم نہیں ہوتیں جب تک ہماری شریعت میں ان کی باقاعدہ نئی تصدیق نہ ہو جائے، اور محض خاموشی یعنی قرآن و سنت کے سکوت کو اس تصدیق پر دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔"

4. امام ابن تیمیہ کے نزدیک شرائع سابقہ کی حجیت۔

امام ابن تیمیہ شرائع سابقہ کی حجیت کے متعلق رقمطراز ہیں

> الكتاب والسنة والإجماع وما يرجع إليها. وبإزاء ذلك لقوم آخرين المنامات والإسرائيليات والحكايات. ويذكر أن الإسرائيليات مما بأيدي المسلمين وأيدي أهل الكتاب قد ليس حقه بباطله. فهذا لا يصدق ولا يكذب. ولكن يسمع ويروى إذا علمنا موافقته لما علمناه من ديننا، لأنه مؤنس مؤكد، وقد علم أنه حق، وأما إثبات حكم بمجرده فلا يجوز اتفاقاً. وينبه على أن شرع من قبلنا إنما هو شرع لنا فيما ثبت أنه شرع لهم دون ما رووه لنا. وهذا يغلط فيه كثير من المتعبدة. والقصاص وبعض أهل التفسير. وبعض أهل الكلام.[14]

مسلمانوں کے لیے شرعی احکام کے دلائل کتاب، سنت، اجماع اور وہ امور ہیں جو ان تینوں کی طرف راجع ہوں۔اس کے بالمقابل بعض لوگوں کے ہاں خواب، اسرائیلی روایات اور حکایات کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔اسرائیلیات میں حق اور باطل خلط ملط ہوتا ہے، اس لیے ایسے اقوال کو نہ مکمل طور پر سچ کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی جھوٹ، بلکہ ان کو اس شرط پر سنا اور روایت کیا جا سکتا ہے کہ جب ہمیں یقین ہو جائے کہ وہ ہمارے دین کی معروف تعلیمات کے موافق ہیں، کیونکہ ایسی باتیں باعثِ انس اور تائید کا

---

[13] أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي، المحصول، دار الكتب العلمية، بيروت، 1418ھ، 214/2

[14] مجموع الفتاوى، 67/18

سامان فراہم کرتی ہیں، اور جب معلوم ہو جائے کہ وہ درست ہیں تو وہ معتبر بھی ہوں گی۔ لیکن صرف انہی کی بنیاد پر کسی شرعی حکم کو ثابت کرنا علماء کے ہاں متفقہ طور پر ناجائز ہے۔

اور "شرعِ من قبلنا" ہمارے لیے اسی وقت شریعت شمار ہو گی جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ ان کے لیے بھی واقعی شریعت تھی، محض ان کی روایت کردہ باتوں کی بنیاد پر نہیں۔ اس معاملے میں اکثر عبادت گزار، قصہ گو، بعض مفسرین اور اہل کلام غلطی کا شکار ہوتے ہیں۔

اس سے ملتی جلتی بات انہوں نے مجموع الفتاوی کے ایک دوسرے مقام پر لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

"فَإِنَّ شَرْعَ مَنْ قَبْلَنَا شَرْعٌ لَنَا، إِذَا لَمْ يَرِدْ شَرْعُنَا بِخِلَافِهِ، وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّهُ شَرْعٌ لِمَنْ قَبْلَنَا، إِمَّا بِكِتَابِهِمْ مَعَ تَوَاتُرِهِ، أَوْ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا أُوحِيَ إِلَيْهِ." [15]

پچھلی امتوں کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے، بشرطیکہ ہماری شریعت میں اس کے خلاف کوئی حکم وارد نہ ہوا ہو، اور یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ واقعی ان پچھلی امتوں کی شریعت ہے؛ یا تو ان کی کتابوں کے ذریعے جن کی نقل متواتر ہو، یا پھر ان باتوں کے ذریعے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی صورت میں لے کر آئے ہیں۔"

امام ابن تیمیہ شرائع سابقہ کے متعلق جمہور علماء کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فشريعت من قبلنا شريعة لنا إذا لم تنسخ عند جماهير علماء المسلمين كما قاله إمام الحرمين والغزالي والقاضي أبو يعلى وأبو الخطاب وغيرهم." [16]

پچھلی امتوں کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے، جب تک کہ وہ منسوخ نہ ہو جائے- اور یہ بات جمہور علماء امت کے نزدیک مسلم ہے، جیسا کہ امام الحرمین امام غزالی قاضی ابو یعلی، ابو الخطاب اور دیگر علماء نے بیان کیا ہے۔"

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اگر شرائع سابقہ شریعتِ محمدی کے مطابق ہو تو وہ بھی ہماری شریعت ہے اس پر امت کا اتفاق ہے۔

وإذا كان ما أخبر به الرسول عن شرع من قبلنا موافقًا لشرعه كان شرعًا لنا بإجماع المسلمين. [17]

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائع سابقہ کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا، وہ ہماری شریعت کے موافق ہو، تو وہ ہمارے لیے شریعت ہے- اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔"

امام ابن تیمیہ اپنا واضح موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"فَإِنَّ شَرْعَ مَنْ قَبْلَنَا لَا يَكُونُ شَرْعًا لَنَا إِلَّا إِذَا ثَبَتَ فِي شَرْعِنَا، وَإِلَّا فَلَا نَقُولُ: إِنَّهُ شَرْعٌ لَنَا." [18]

---

15 مجموع الفتاوی، ج1، ص258

16 مجموع الفتاوی، 20/213

17 ابن تیمیۃ شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم، درء تعارض العقل والنقل، جامعۃ الإمام محمد بن سعود الإسلامیۃ، ط: الثانیۃ، 1411ھ، 3/211

18 مجموع الفتاویٰ، 20/213

پچھلی امتوں کی شریعت ہمارے لیے شریعت نہیں بن سکتی جب تک کہ ہماری شریعت میں اس کا ثبوت نہ ہو، ورنہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ہماری شریعت ہے۔"

امام ابن تیمیہ نے اسرائیلیات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

الاول ۔ماعلمنا صحته مما بایدینا مما یشهد له بالصدق فذاك صحیح الثانی: ما علمنا كذبه بما عندنا مما یخالفه.

الثالث: ما هو مسكوت عنه، لا من هذا القبیل ولا من هذا القبیل، فلا نؤمن به ولا تكذبه، وهذا وإن جاز حكایته علی سبیل التأكید والاستئناس، إلا أن غالب ذلك مما لا فائدة فیه تعود إلى أمر دینی۔ [19]

پہلی قسم:

وہ روایت یا خبر جس کی صحت ہمیں ہمارے پاس موجود معلومات کی روشنی میں معلوم ہو، یعنی ایسی بات جس کے سچا ہونے پر ہمارے پاس گواہی یا شہادت موجود ہو، تو وہ درست اور قابل قبول ہے۔

دوسری قسم:

وہ بات جس کے جھوٹا ہونے کا ہمیں علم ہو، کیونکہ وہ ہمارے پاس موجود صحیح معلومات کے خلاف ہو، تو وہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔

تیسری قسم:

وہ بات جس کے بارے میں کوئی واضح رائے نہیں دی گئی، نہ تو وہ ان خبروں میں سے ہے جن کی صحت معلوم ہے اور نہ ہی ان میں سے ہے جن کی تکذیب ثابت ہے؛ لہٰذا ایسی خبر نہ تو قابل تصدیق ہے اور نہ ہی قابل تکذیب۔ اگرچہ اس طرح کی حکایت یا روایت کو بطورِ تاکید یا دل جوئی کے طور پر بیان کرنا جائز ہے، تاہم ایسی باتوں میں عمومی طور پر کوئی ایسا فائدہ نہیں ہوتا جو دینی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہو۔

امام ابن تیمیہ مشہور قاعدہ "شرعُ مَن قبلَنا شرعٌ لنا ما لم یرد شرعُنا بخلافه" (یعنی: پہلی امتوں کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے، جب تک ہماری شریعت اس کے خلاف نہ ہو) کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ قاعدہ تین بنیادی شرطوں پر قائم ہے:

1-أن یثبت أن ذلك شرع لهم بنقل موثوق به، مثل أن یخبرنا الله فی كتابه، أو علی لسان رسوله، أو ینقل بالتواتر ونحو ذلك، فأما مجرد الرجوع إلى قولهم، أو إلى ما فی كتبهم فلا یجوز بالاتفاق-أن لا یكون فی شرعنا بیان خاص لذلك، فأما إذا كان فیه بیان خاص بالموافقة، أو بالمخالفة استغنی

---

[19] مجموع الفتاویٰ 13/366-367

عن ذلك ثبوت المعرفة بمراد اللفظ المنقول عنهم ترجمة وتفسيراً. فإذا انتفت إحدى هذه المقدمات أو كلها بطلت القاعدة، إذ يلزم من انتفاء (٢) اللازم انتفاء الملزوم[20]

1. سب سے پہلے یہ بات معتبر اور قابلِ اعتماد طریقے سے ثابت ہو کہ وہ (حکم) واقعۃً ان کی شریعت کا حصہ تھا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں خبر دے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خبر دیں، یا وہ بات متواتر روایت کے ذریعے ہم تک پہنچی ہو۔ محض ان (اہلِ کتاب) کے اقوال یا ان کی کتابوں کے حوالوں پر اعتماد کرنا، تمام علماء کے نزدیک جائز نہیں۔

2. ہماری شریعت میں اس مسئلے کے بارے میں کوئی خاص اور واضح ہدایت موجود نہ ہو۔

اگر ہماری شریعت میں اس کی تائید یا مخالفت میں کوئی صریح حکم موجود ہو، تو اس وقت اس (پچھلی شریعت کے حکم) کے ذکر کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

3. ان سے منقول الفاظ کا مفہوم ترجمہ و تفسیر کے ذریعے اچھی طرح معلوم اور واضح ہو۔

پس اگر یہ تینوں شرائط میں سے کوئی ایک بھی پوری نہ ہو، یا تینوں ہی غائب ہوں، تو یہ قاعدہ باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ جب کسی نتیجے کے لیے ضروری شرط مفقود ہو جائے، تو وہ نتیجہ بھی باقی نہیں رہتا۔

امام ابن تیمیہ اسلامی شریعت کی فضیلت ثابت کرتے ہوئے شرائع کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أنه يقسم الشرائع ثلاثة أقسام: شريعة عدل فقط، وشريعة فضل فقط، وشريعة تجمع العدل والفضل، فتوجب العدل وتندب إلى الفضل وهذه أكمل الشرائع الثلاث، وهي شريعة القرآن، الذي يجمع بين العدل والفضل، ففي إرسال محمد ﷺ من الحكم والمصالح أعظم مما كان في إرسال موسى والمسيح عليهما الصلاة والسلام، والذي حصل به من صلاح العباد في المعاش والمعاد أضعاف ما حصل بإرسال موسى والمسيح، من جهة الخلق) والأمر).[21]

1. وہ شریعت جو صرف عدل پر مبنی ہو۔

2. وہ شریعت جو صرف فضل واحسان پر مبنی ہو۔

3. اور وہ شریعت جو عدل اور فضل دونوں کو جمع کرتی ہو۔

تیسری قسم کی شریعت—جو عدل کو واجب اور فضل کو مستحب قرار دیتی ہے—سب سے کامل شریعت ہے۔

اور یہی قرآن کی شریعت ہے، جو عدل وانصاف اور احسان وفضل دونوں کی جامع ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں جو حکمتیں اور مصلحتیں پائی جاتی ہیں۔

---

[20] ابن تیمیة شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم ، اقتضاء الصراط المستقیم ، الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمیة ،ریاض ، 1403ھ،ص 172-173

[21] تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن عبد الله بن أبي القاسم بن محمد ابن تيمية ،الجواب الصحيح، دار العاصمة، السعودية الطبعة:الثانية،١٤١٩ھ-/١٩٩٩م،3/229

وہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی بعثت سے کہیں بڑھ کر ہیں۔

ان کی بعثت کے ذریعے جو انسانوں کی دنیوی اور اخروی اصلاح ہوئی۔

وہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی بعثت سے حاصل ہونے والی اصلاح کے کئی گنا زیادہ ہے۔

خواہ وہ تخلیقِ انسانی کے باب میں ہو یا نظامِ حیات کے باب میں۔

امام ابن تیمیہ وجدانی کیفیت میں شریعتِ محمدی کا مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فإن في شريعة محمد ﷺ من الهدى ودين الحق، أكمل مما في الشريعتين المتقدمتين، ويسر الله من اتباع الخلق له واهتدائهم به، ما لم يتيسر مثله لمن قبله. ولم تكن شريعة التوراة في الكمال مثل شريعة القرآن، فإن في القرآن من ذكر المعاد ووصف الجنة والنار وذكر قصص الأنبياء وتقرير التوحيد وذكر أسماء الله الحسنى وصفاته ما لم يفصل مثله في التوراة. وفي شريعة القرآن تحليل الطيبات وتحريم الخبائث، وشريعة التوراة فيها تحريم كثير من الطيبات حرمت عليهم عقوبة لهم. وفي شريعة القرآن من قبول الدية في الدماء، ما لم يشرع في التوراة. وفيها من وضع الأصار والأغلال التي في التوراة ما يظهر به أن نعمة الله على أهل القرآن أكمل وأما الإنجيل، فليس فيه شريعة مستقلة، ولا فيه الكلام على التوحيد وخلق العالم وقصص الأنبياء وأممهم. بل أحالهم على التوراة في أكثر الأمر. ولكن أحل لهم المسيح بعض ما حرم عليهم، وأمرهم بالإحسان والعفو عن المظالم، واحتمال الأذى والزهد في الدنيا فعامة ما امتاز به الإنجيل عن التوراة بمكارم الأخلاق المستحسنة وتحليل بعض المحرمات وهذا كله في القرآن وهو في القرآن أكمل وأما الزبور فداود لم يأت بغير شريعة التوراة. وإنما في الزبور ثناء على الله ودعاء وأمر بدينه وطاعته وعبادته مطلقاً.

وخلاصة القول أن القرآن مستقل بنفسه لم يحوج أصحابه إلى كتاب آخر، بل اشتمل على جميع ما في الكتب من المحاسن، وعلى زيادات كثيرة لا توجد في الكتب، فلهذا كان مصدقاً لما بين يديه من الكتاب ومهيمناً عليه۔ [22]

بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں جو ہدایت اور دینِ حق موجود ہے، وہ پچھلی دو شریعتوں (تورات و انجیل) سے زیادہ کامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شریعت کو ایسا آسان بنایا کہ مخلوق کا اس کی پیروی کرنا اور اس کے ذریعے ہدایت پانا پہلے انبیاء کی شریعتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ممکن اور سہل ہو گیا۔ تورات کی شریعت، قرآن کی شریعت کی طرح کامل نہ تھی؛ کیونکہ قرآن میں آخرت کا تذکرہ، جنت و دوزخ کی تفصیل، انبیاء کے قصے، توحید کی وضاحت، اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ اور صفات ایسی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

جس کی نظیر تورات میں نہیں ملتی۔ قرآن کی شریعت میں پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا گیا، جبکہ تورات میں کئی پاکیزہ چیزوں کو بھی (بنی اسرائیل کے گناہوں کی پاداش میں) حرام کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح قرآن میں قتل کے بدلے دیت لینے کی اجازت ہے۔ جو کہ تورات میں مشروع نہیں تھی۔ قرآن نے وہ تمام بوجھ اور پابندیاں ہٹا دیں۔ جو تورات میں موجود تھیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن والوں پر اللہ کا انعام زیادہ مکمل ہے۔ رہی بات انجیل کی، تو اس میں کوئی

---

[22] مجموع الفتاوی 4/185

مستقل شریعت نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں توحید، تخلیقِ کائنات، انبیاء کے واقعات یا ان کی تعلیمات کی کوئی مفصل گفتگو موجود ہے؛ بلکہ اکثر امور میں عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دوبارہ تورات کی طرف ہی رجوع کرنے کو کہا۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر سے کچھ پابندیاں اٹھادیں، انہیں احسان، مظالم پر درگزر، ایذا رسانی پر صبر اور دنیا سے بے رغبتی کا حکم دیا؛

پس تورات کے مقابلے میں انجیل کی امتیازی خوبی زیادہ تر اخلاقی خوبیوں اور کچھ حرام شدہ چیزوں کے حلال ہونے میں ہے۔ جبکہ یہ سب کچھ قرآن میں بھی موجود ہے، بلکہ کہیں زیادہ کامل اور جامع انداز میں موجود ہے۔ رہی بات زبور کی، تو داؤد علیہ السلام شریعتِ موسوی کے علاوہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے، بلکہ زبور میں صرف اللہ کی حمد و ثنا، دعا، اور اللہ کی اطاعت و عبادت کا عمومی حکم موجود ہے۔

المختصر قرآن ایک مکمل اور خود کفیل کتاب ہے، اس کے پیروکاروں کو کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ قرآن تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی خوبیاں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور اس میں وہ بہت سی اضافی خوبیاں بھی ہیں جو ان کتابوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اسی لیے قرآن، پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ان پر حاکم بھی ہے۔ امام ابن تیمیہ رسالت محمدی کی جامعیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ومما توصل إليه ابن تيمية هو أن محمداً بعث بكتاب مستقل، وشرع مستقل كامل تام، لم يحتج معه إلى شرع سابق تتعلمه أمته، ولا إلى شرع لاحق يكمل شرعه۔[23]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی کتاب کے ساتھ بھیجا گیا۔ جو مکمل طور پر مستقل اور خود کفیل ہے، اور آپ کی لائی ہوئی شریعت بھی مکمل، جامع اور بے نیاز ہے؛ اس میں نہ تو کسی پچھلی شریعت کی ضرورت باقی رہی کہ آپ کی امت اس سے کچھ سیکھے، اور نہ ہی کسی آئندہ آنے والی شریعت کی ضرورت باقی رہی کہ وہ آ کر اس شریعت کو مکمل کرے۔

امام ابن تیمیہ کی مذکورہ بالا تحریر اس بات پر شاہد ہے کہ ان کی نگاہ، شریعتِ محمدی اور شرائع سابقہ کے معاملے میں کتنی گہری اور جامع تھی۔

بقول شاعر

یہ منصب بلند ملا جس کو مل گیا　　　　ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں بعض علماء شرائع سابقہ کے اعمال کو۔ ہماری شریعت کے موافق یا مخالف ہونے کے اعتبار سے تین اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

> القسم الأول: مشروع في ديننا، مع كونه كان مشروعاً لهم، أو لا نعلم أنه كان مشروعاً لهم، لكنهم يفعلونه الآن.
> القسم الثاني: كان مشروعاً لهم، ثم نسخه شرع القرآن.
> القسم الثالث: لم يكن مشروعاً بحال.
> فالأول: كصوم عاشوراء، أو كأصل الصلاة والصوم، فهنا تقع المخالفة في صفة ذلك العمل.

---

[23] الجواب الصحیح، 1/348

ما سن لنا صوم عاشوراء، وكما أمرنا بتعجيل الفطر والمغرب، وتأخير السحور، مخالفة لأهل الكتاب
وأما الثاني: كالسبت أو إيجاب صلاة أو صوم، ولا يخفى النهي عن موافقتهم في هذا، سواء كان واجباً عليهم فيكون عبادة، أو محرماً عليهم فيتعلق بالعادات، فليس للرجل أن يمتنع من أكل الشحوم وكل ذي ظفر على وجه التدين بذلك.
وأما الثالث: وهو ما أحدثوه من العبادات أو العادات أو كليهما، فهو (ا) أقبح وأقبح).[24]

پہلی قسم

ایسا عمل جو ہمارے دین میں جائز اور مشروع ہے، اور وہ ان کی شریعت میں بھی مشروع تھا، یا ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ ان کے ہاں مشروع تھا یا نہیں، لیکن وہ لوگ آج بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔

دوسری قسم

ایسا عمل جو ان کی شریعت میں مشروع تھا، لیکن قرآن کی شریعت نے آکر اسے منسوخ کر دیا۔

تیسری قسم

ایسا عمل جو کسی بھی شریعت میں کبھی مشروع نہیں رہا، یعنی وہ سراسر غیر مشروع ہے۔

پہلی قسم:

جیسے عاشوراء کا روزہ، یا نماز اور روزے کی اصل صورتیں۔

1. ایسے اعمال میں ہم ان سے طریقۂ عمل میں اختلاف کرتے ہیں۔
2. مثلاً: ہمیں عاشوراء کا روزہ رکھنا سنت قرار دیا گیا۔
3. اور ہمیں افطار اور مغرب کی نماز میں جلدی کرنے۔
4. اور سحری کو تاخیر سے کرنے کا حکم دیا گیا۔
5. تاکہ اہل کتاب کی مخالفت کی جائے۔

دوسری قسم:

جیسے ہفتے کے دن کی تعظیم، یا کوئی خاص نماز یا روزہ ان پر لازم ہونا۔
ایسے معاملات میں ان سے مشابہت اختیار کرنے سے ممانعت ہے،
چاہے وہ چیز ان پر واجب ہو اور عبادت شمار ہو،
یا ان پر حرام ہو اور عادات سے متعلق ہو۔
چنانچہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ مذہبی نیت سے

---

[24] اقتضاء الصراط المستقیم، 171

چربی دار گوشت یا اونٹ، خرگوش کے گوشت سے پرہیز کرے،

جیسے یہود نے کیا۔

تیسری قسم:

وہ چیزیں جو انہوں نے خود گھڑ لیں،

چاہے وہ عبادات ہوں یا عادات یا دونوں،

تو یہ صورت سب سے زیادہ قبیح اور ناپسندیدہ ہے۔

نتیجہ البحث:

شرائعِ سابقہ کی حجیت ایک دقیق اور محلِّ نظر اصولی مسئلہ ہے، جس پر فقہاء واصولیین کی مختلف آراء سامنے آئی ہیں۔ اس تحقیقی مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ شرائعِ سابقہ کے احکام، اگر اسلامی نصوص میں مذکور ہوں اور ان کی تصدیق یا نسخ پر کوئی صریح دلیل نہ ہو، تو ان کی حجیت پر جمہور احناف، بعض شوافع و حنابلہ کا میلان ہے، جبکہ شوافع و مالکیہ کے اکابر اور ظاہریہ کی غالب رائے عدمِ حجیت کی ہے۔

تاہم امام ابن تیمیہؒ کا موقف اس باب میں نہایت متوازن، باریک بین اور قابلِ ترجیح ہے۔ انہوں نے اپنے اصولی منہج کے مطابق نہ افراط کا راستہ اختیار کیا، نہ تفریط کا، بلکہ دلیل، فہمِ سلف، اور مصالحِ شریعت کے جامع توازن کے ساتھ اپنا موقف پیش کیا۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"ما شرعه الله لنبي من الأنبياء، فإنما شرعه لحكمة بالغة، فإذا لم يأت في شرعنا ما ينسخه، ولم يكن في مخالفته مصلحة راجحة، فهو باقٍ على أصله."[25]

یعنی: اللہ تعالیٰ نے جو حکم کسی نبی کے لیے مشروع کیا، وہ کسی عظیم حکمت پر مبنی ہوتا ہے، اور جب تک ہماری شریعت میں اس کی صریح نسخ کی دلیل نہ ہو، یا اس کی مخالفت میں کوئی راجح مصلحت نہ ہو، وہ اپنے اصل پر باقی رہتا ہے۔

یہ موقف ہمیں امام ابن تیمیہؒ کی اصولی بصیرت کی گہرائی سے روشناس کراتا ہے، جس میں وہ شرائع سابقہ کی حجیت کو، محض تائیدی سکوت کی بنیاد پر تسلیم نہیں کرتے، نہ ہی مطلقاً غیر حجت قرار دیتے ہیں، بلکہ اسے نصوصِ شرعیہ، مصالحِ شرعیہ اور سیرتِ نبویہ کے مجموعی سیاق وسباق سے مشروط کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک شرائع سابقہ اس وقت تک حجت ہیں جب تک

1. وہ شریعتِ محمدیہ کے خلاف نہ ہوں۔
2. ان کی منسوخی پر واضح دلیل نہ ہو،
3. ان کی تطبیق امتِ محمدیہ کے مصالح کے خلاف نہ ہو۔

---

[25] مجموع الفتاوی 20/213

امام ابن تیمیہ کا یہ موقف دراصل فقہ الموازنات اور توحید مصدر التشریع کے اعلیٰ اصولوں پر قائم ہے۔

لہٰذا، شرائع سابقہ کی حجیت کا درست منہج وہی ہے جو امام ابن تیمیہؒ نے اپنایا: نہ ہر سکوتی حکم مطلقاً حجت ہے، نہ ہر غیر منصوص حکم غیر حجت؛ بلکہ اصل حجیت کا دار و مدار شریعتِ محمدیہ کی تصریحات، اصولِ اجماع، اور مقاصدِ شریعت پر ہے۔

المختصر:

امام ابن تیمیہؒ کا موقف ہمیں اس اصولی باب میں ایک راہِ اعتدال عطا کرتا ہے، جس میں نہ جمود ہے نہ تفلت، بلکہ دلیل، فہمِ سلف، اور مصالحِ امت کا حسین امتزاج ہے — یہی موقف آج کے اصولیین و محققین کے لیے لائقِ اتباع اور قابلِ ترجیح ہونا چاہیے۔

خلاصۂ البحث:

یہ مقالہ شرائعِ سابقہ کی حجیت کو موضوع بناتا ہے۔ اس میں نہ صرف اس کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم اور اقسام کی وضاحت کی گئی ہے بلکہ اصولیین اور فقہاء کے مختلف مکاتبِ فکر کی آراء اور دلائل کا جامع تقابلی تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

اس مقالے میں اصل محلِ نزاع "سکوتی احکام" سے متعلق ہے، یعنی وہ سابقہ احکام جو شریعتِ محمدیہ میں مذکور تو ہوں مگر ان کی تصدیق یا نسخ پر کوئی صریح دلیل موجود نہ ہو۔ اس مسئلے میں دو معروف موقف پائے جاتے ہیں:

1. حجیت کے قائلین:

جمہور احناف، بعض شوافع اور حنابلہ کے مطابق ایسے احکام جب تک منسوخ نہ ہوں، شرعی حجت سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے دلائل میں قرآن مجید میں انبیائے سابقین کی شریعتوں کی پیروی کے عمومی احکام، امام سرخسی، امام بزدوی اور امام محمد بن حسن الشیبانی کے اصولی اقوال شامل ہیں۔

2. منکرینِ حجیت:

امام ابن حزم، امام رازی، امام غزالی، امام نووی اور معتزلہ جیسے علماء کے مطابق شرائع سابقہ کی پیروی صرف اس وقت واجب ہے جب شریعتِ محمدیہ میں صراحت کے ساتھ اس کی توثیق موجود ہو، محض ذکر حجیت کے لیے کافی نہیں۔

امام ابن تیمیہ کا موقف ایک معتدل اور منصفانہ مؤقف ہے۔

امام ابن تیمیہ کا نقطۂ نظر اس بحث میں نہایت بصیرت آمیز اور جامع ہے۔ وہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے ایک درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں، جو فقہی تدبر اور اصولی توازن کا مظہر ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"الشرع المأمور بأتباعه هو ما شرعه الله لنبيه, لا ما شرعه لغيره, إلا إذا قرر ذلك بشرعه."[26]

---

[26] مجموع الفتاویٰ، 3/245

یعنی جس شریعت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، وہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشروع قرار دی ہے، نہ کہ وہ جو کسی اور کے لیے مشروع تھی، الّا یہ کہ شریعتِ محمدیہ نے اسے ثابت کیا ہو۔

اسی طرح ایک اور مقام پر وہ واضح کرتے ہیں کہ:

"سکوت کا معنی اقرار نہیں ہوتا، اور نہ ہی محض ذکر سے حجیت ثابت ہوتی ہے۔"[27]

یعنی ابن تیمیہ کے نزدیک شرائع سابقہ اس وقت تک حجت نہیں جب تک شریعتِ محمدیہ میں ان کی تصدیق موجود نہ ہو۔ لیکن اگر تصدیق یا تقریر موجود ہو—اگرچہ ضمنی یا غیر صریح ہو—تو وہ حکم نافذ العمل ہو سکتا ہے۔

المختصر:

امام ابن تیمیہ کا موقف اس مسئلے میں ایک اصولی بصیرت، علمی احتیاط اور سلفی اعتدال کا آئینہ دار ہے۔ وہ نہ تو ہر سابقہ حکم کو احناف کی طرح مطلق حجت مانتے ہیں اور نہ ہی ہر ایسے حکم کو اہل ظواہر کی طرح یکسر رد کرتے ہیں بلکہ وہ اصولی طور پر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر حکم کی حجیت شریعتِ محمدیہ کی تصریح یا تقریر سے مشروط ہے۔

ان کا موقف امت کے لیے ایک متوازن اصولی راستہ فراہم کرتا ہے جس میں نہ اندھی تقلید ہے نہ انکار مطلق، بلکہ قرآنی نصوص، نبوی سنت، اور اجتہادی بصیرت کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

یہی نقطہ نظر عصرِ حاضر کے پیچیدہ فقہی و اصولی مسائل میں ایک راہنما اصولی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

سفارشات:

1. اصول فقہ میں ایک متوازن اور معتدل منہج کی ضرورت۔
2. شریعت محمدیہ کی کاملیت کا شعور اجاگر کیا جائے۔
3. "سکوت "کو" اقرار "نہ سمجھنے کا اصولی شعور پھیلایا جائے۔
4. معاصر اصولیین کو فقہ الموازنات "کی طرف متوجہ کیا جائے۔
5. شرائع سابقہ کے مطالعہ میں عقلی احتیاط کو فروغ دیا جائے۔
6. امام ابن تیمیہ کی اصولی آراء کو مدارس و جامعات میں شامل نصاب کیا جائے۔
7. مکاتب فکر کے تقابلی مطالعے کی بنیاد پر تحقیق کو فروغ دیا جائے۔
8. شرائع سابقہ کی حجیت پر جدید قانونی اور ریاستی تناظر میں تحقیق کی جائے۔
9. امام ابن تیمیہ کی اصولی فکر کو جدید اجتہادی اداروں میں روشناس کروایا جائے۔

---

[27] مجموع الفتاویٰ 3/247